تمھارے سبب سے ہمارے مکتب کا نام بد ہوتا ہے۔ میں تمھاری اماں جان کو بلا کر کہہ دوں گی کہ "بی! تمھاری لڑکی یہاں نہیں پڑھتی اس کو تم کسی دوسری اُستانی کے پاس بٹھاؤ۔"

اتنا کہنا کہ لڑکی کا دَم فنا ہوا۔ پھر سبق ہے کہ نوک زبان یاد ہے۔

یا جس نے سبق یاد نہیں کیا۔ اُس سے کہا گیا کہ "بوا! آج تم نے سبق یاد نہیں کیا۔ اور لڑکیاں تو دوپہر کے بعد سنیں گی اور تم پڑھنا۔

یہ کہنا تھا کہ اُس نے جلدی جلدی سبق حفظ کیا۔

مکتب میں محمودہ اور حسن آرا دو خلیفہ تھیں۔

نہ یہاں جھاڑو دینی ہے نہ بچھونے نہ چارپائیاں ڈھونی ہیں نہ برتن مانجھنے ہیں نہ خلیفاؤں کو لادے لادے پھرنا ہے بلکہ خود لڑکیوں پر ایک عورت نوکر تھی۔

محنت اور آرام، پڑھنا لکھنا سینا تین کام خوب شوق سے لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔

اس مقام پر مکتب کی ایک حکایت لکھی جاتی ہے جس سے اصغری کا طرز تعلیم مختصر طور پر معلوم ہو جائے گا۔

CH. 21

حکایت

سفیہن ایک عورت تھی اور فضیلت اس کی بیٹی کوئی دس برس کی

ہو گی۔ فضیلت کو خود بخود پڑھنے لکھنے اور سینے پرونے کا شوق تھا۔

سفیہن یہ چاہتی تھی کہ فضیلت تمام گھر میں جھاڑو دے، لیپے پوتے برتن مانجے، ایسے کاموں میں فضیلت کا دل نہ لگتا۔ ماں کے کہے سُنے کر تو دیتی مگر وہی بے دلی سے۔

سفیہن جو ایک دن فضیلت پر ناخوش ہوئی تو ساتھ لے جا کر اصغری کے مکتب میں بٹھا آئی اور کہا کہ استانی جی یہ لڑکی بڑی نکمّی ہے۔ جس کام کو کہتی ہوں ٹکا سا جواب دیدیتی ہے۔ اس کو ایسا ادب دو کہ گھر کے کام پر اس کا جی لگے۔

اصغری نے جو دیکھا تو فضیلت کو اپنے ڈھب کا پایا۔ ادھر فضیلت کو اپنی مرضی کی اُستانی ملی۔

نور کے تڑکے آتی تو دوپہر کو کھانا کھانے جاتی۔ کھانا کھایا اور پھر بھاگی۔ پانی مکتب میں آ کر پیتی۔ اور تیسرے پہر کی آئی آئی چار گھڑی رات گئے جاتی۔

کبھی کبھی سفیہن اس کی خبر لینے مکتب میں آئی تو کئی دفعہ اس کو لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلتے دیکھا۔ دو چار دفعہ ہنڈکلھیا پکاتے۔

ایک دن چار گھڑی رات ہو گئی ہو گی۔ فضیلت کو جانے میں دیر ہوئی سفیہن اُس کو لینے آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ محمودہ کہانیاں کہہ رہی ہے اور مکتب کی سب لڑکیاں آس پاس بیٹھی ہیں اور خود اُستانی جی بھی

لڑکیوں میں بیٹھی ہوئی کہانیاں سُن رہی ہیں تب تو سفیہن کا جی جل کر خاک ہوگیا اور بولی کہ " واہ اُستانی جی! اچھا تم نے لڑکیوں کا ناس کر رکھا ہے۔ جب کبھی میں فضیلت کو دیکھنے آئی۔ کبھی میں نے اس کو پڑھتے نہ پایا۔ مکتب کیا ہے اچھا کھیل کا بہانہ ہے۔ تبھی تو لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی ہیں۔

اصغری نے کہا کہ بوا اگر تمہاری مرضی کے موافق تمہاری لڑکی کی تعلیم نہیں ہوتی تو تم کو اختیار ہے اپنی لڑکی کو اٹھالے جاؤ مگر مکتب پر ناحق کا الزام مت لگاؤ۔ بھلا میں تم سے پوچھتی ہوں فضیلت نے مائی جی کے مکتب میں کتنے دنوں پڑھا؟

سفیہن نے کہا۔ میراں جی کے چڑھتے چاند اس کو بٹھایا تھا۔ مدار بھر پڑھا۔ خواجہ معین الدینؒ بھر پڑھتی رہی۔ ماہ رجب سے تمہارے یہاں ہے۔

اصغری نے پوچھا۔ مائی جی کے یہاں فضیلت نے کیا پڑھا؟

سفیہن نے کہا۔ تین مہینے میں وَالْمُحْصَنٰتُ کا سپارہ اور آدھا لَا یُحِبُّ اللّٰہُ۔

اصغری نے کہا۔ تین مہینے میں ڈیڑھ سپارہ تو مہینے میں آدھا سپارہ ہوا۔ یہاں تمہاری فضیلت ماہِ رجب سے ہے اور اب خالی کا چاند چڑھتا ہے چار مہینے ہوئے وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ کا سپارہ کل ختم ہوا یعنی ساڑھے سات

سپارے پڑھے۔ حساب سے مہینے پیچھے ایک سپارہ کے قریب ہوتا ہے، مائی جی کے مکتب سے دونا اور جب فضیلت یہاں آئی تو کالی لکیر تک اُس کو کھینچنی نہیں آتی تھی۔ اب نام لکھ لیتی ہے اور بیا جابو جب حرف بھی بُرے نہیں ہوتے۔ بیسؔ تک بھی پوری گنتی نہیں جانتی تھی اب پندرہ کا پہاڑا یاد کرتی ہے۔ سینے میں تیلیچی تک سیدھی بھرنی نہیں آتی تھی اب اس کے ہاتھ کا بخیہ دیکھو۔

لائیو عقیلہ ذرا بقچیہ۔ فضیلت نے جو کرتی میں بخیہ کیا ہے ذرا دکھا تا اور فضیلت کے ہاتھ کی کیکری، مُرمرا، بوٹیاں، لہریاں، چھڑیاں، خانہ توڑ، دیکھت۔ بھولی، خاکہ، تار، شمار، چنبیلی کا جال، ترپن، بیل کا مدانی کچھ ہو تو وہ بھی اُٹھاتی لاؤ۔

فضیلت بولی۔ اُستانی جی میں جا کر لے آؤں۔

فضیلت دوڑی دوڑی جا کر اپنا کشیدہ اٹھا لائی۔

سفیہن ایک بات کے دس دس جواب سُن کر ہکا بکا ہو کر رہ گئی۔

اصغری نے کہا بولو بوا! کچھ انصاف بھی ہے۔ چار مہینے میں تمہاری لڑکی اور کیا سیکھ لیتی؟

سفیہن تو ایسی شرمندہ ہوئی کہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب اُستانی جی سے آنکھ سامنے نہیں کر سکتی تھی۔

سفیہن کمبخت کے آنے جانے سے محمودہ کی مزہ کی کہانی تو رہ گئی

سب لڑکیاں اُسی کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگیں۔

سفیہن نے کہا۔ اُستانی جی! مجھ کو اس کی کیا خبر تھی؟ فضیلت دن بھر تو یہاں رہتی ہے۔ رات کو ایسی دیر کر کے جاتی ہے کہ کھانا کھایا اور سو ئی مجھ کو اس سے پوچھنے گچھنے کا اتفاق تو ہوتا نہیں۔ دو چار مرتبہ جو میں ادھر کو آنکلی تو کبھی گڑیاں کھیلتے پایا۔ کبھی ہنڈ کلھیا پکاتے۔ کبھی کہانیاں سنتے۔ اس سے مجھ کو خیال آیا کہ یہ اپنا وقت کھیل کود میں کھوتی ہے اب میرے مُنہ سے بات نکل گئی۔ معاف کیجئے۔

اصغری نے کہا۔ بیشک تمہارا شبہ بیجا نہیں تھا لیکن میں انھیں کھیل کی باتوں میں ان کو کام کی باتیں سکھاتی ہوں۔ ہنڈ کلھیوں میں لڑکیاں ہر ایک طرح کے کھانے کی ترکیب سیکھتی ہیں۔ مصالحہ کا اندازہ۔ نمک کی اٹکل ذائقہ کی شناخت، بو باس کی پہچان ان کو آتی ہے۔

کیوں فضیلت! پرسوں جمعہ تھا؟ تم لڑکیوں نے ملا کر کتنا زردہ پکایا تھا؟ اس کی ترکیب اور سب حساب کتاب تو ہم کو سناؤ۔

فضیلت نے کہا۔ حساب تو محمودہ بیگم نے اپنی کتاب پر لکھ رکھا ہے مگر ترکیب تو میں نے بموجب آپ کے فرمانے کے خوب دھیان لگا کر دیکھ لی ہے اور اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی ہے۔

سیر بھر چاول تھے، پہلے اُن کو لگن میں بھگو دیا۔ شاید دھیلے کی ہار سنگھار کی ڈنڈیاں منگوائی تھیں پیسے بھر ملی تھیں۔ ان کو کوئی ڈیڑھ سیر

پانی میں جوش دیا۔ جب ابال آگیا اور رنگ کٹ گیا تو چھان کر عرق میں چاول نچوڑ کر ڈال دئے۔ چاول جب ادھ کچرے ہو گئے اور ایک کنی رہی تو چاولوں کو کپڑے پر پھیلا دیا کہ جتنا بھر پانی ہے نکل جائے پھر آدھ پاؤ گھی دیگچی میں لونگوں کا بگھار دیکر کڑکڑایا اور چاول چھوڑ دیے اوپر سے چاولوں کے ہموزن کچی کھانڈ ڈال دی اور اٹکل سے اتنا پانی ڈالدیا کہ چاولوں کی ایک کنی جو باقی رہی تھی گل جائے۔ پھر کوئی ایک چھٹانک کشمش گھی میں کڑکڑا کر جب پھول گئی چاولوں میں چھوڑ دی اور اوپر تلے انگارے رکھ کر دم دیدیا۔

اصغری نے کہا۔ ترکیب تو درست ہے لیکن چاولوں کو جو میں نے دیکھا تھا تو بیٹھ گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کپڑے پر پھیلا کر ٹھنڈے پانی سے اُن کو دھویا نہیں؟

پھر اصغری سفیہن کی طرف مخاطب ہو کر بولی کہ کیوں بوا! زردہ تمہاری لڑکی نے ٹھیک پکایا؟ یہ سب ہنڈ کلھیا کی بدولت ہے۔

بوا محمودہ! تم اپنے زردہ کا حساب تو سناؤ۔

محمودہ جا حساب کی کتاب اُٹھا لائی اور کہا اُستانی جی!

چھ سیر کے چاول، سیر بھر۔ پونے تین آنے کے۔ اور ایک پیسے کی ڈنڈیاں اور لونگیں۔ دو سیر کا گھی ہے پون پاؤ منگوایا (آدھ پاؤ بگھار دیتے وقت ڈالا اور چھٹانک بھر کشمش کڑکڑا کر دم دیتے وقت) ڈیڑھ آنہ کا گھی ہوا۔ اور

چوسیری کھانڈ، سیر بھر چار آنے کی۔ ایک پیسے کی کشمش۔ کُل پونے گیارہ آنے کے پیسے خرچ ہوئے۔ دسؔ لڑکیوں کا ساجھا تھا۔ پونے دو آنے تو میرے تھے اور فضیلت ایک، عقیلہ دوؔ، حُسن آرا تینؔ، امۃ اللہ چارؔ، عالیہ پانچؔ، سلمیٰ چھؔ، ام البنین ساتؔ، شکیلہ جمیلہ دونوں بہنیں نوؔ۔ سب کا ایک ایک آنہ۔

اصغری نے کہا۔ محمودہ تم نے دھوکا کھایا۔

محمودہ نے سوچا تو کہا۔ ہاں استانی جی، چاولوں میں کوڑیاں بچیں، وہ نامراد بنیے نے ہضم کیں۔ اے ہے ڈنڈیاں اور لونگیں اُس میں آجاتیں۔ تو ایک پیسہ بچتا۔ دیانت نسا، جا تو بنیے سے کوڑیاں لا۔

اصغری نے کہا۔ اَیں ایں، کیا کرتی ہو کوڑیوں کا معاملہ، پرسوں کی بات۔ اب کچھ نہ کہو۔ تمھاری غلطی کی سزا ہے کہ اتنا نقصان سہو۔

اصغری حُسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر بولی زردہ کی ترکیب اور لاگت تو معلوم ہوئی بھلا دیگچہ بھرا سیر بھر زردہ تم سب نے کیا کیا؟

حسن آرا نے جواب دیا۔ مجھولی دوؔ رکابیاں چوٹی دار بھر کر اللہ کے نام کی مسجد میں بھیج دیں باقی میں تیرہؔ تشتریاں بھری گئیں۔ مکتب میں ہم پچیسؔ لڑکیاں ہیں۔ دوؔ دوؔ میں ایک ایک تشتری آئی۔ تیرھویں میں میں اکیلی تھی۔

اصغری نے پوچھا۔ کیا تم نے دُہرا حصہ لیا؟

حُسن آرا بولی۔ نہیں تو۔ میری آدھی تشتری تھی۔ سب سے پوچھ لیجئے۔

اصغری نے کہا۔ پھر تم برادری سے الگ کیوں رہیں؟

حُسن آرا تو چپ ہوئی۔

امۃ اللہ نے کہا۔ استانی جی ان کو سب کے ساتھ کھاتے ہوئے گھن آتی ہے۔

حسن آرا نے کہا۔ نہیں، اُستانی جی گھن کی بات نہیں ہے میں دستر خوان پر سب لڑکیوں سے پیچھے آئی۔ اس سے اکیلی رہ گئی آپ محمودہ بیگم سے دریافت کر لیجئے۔

امۃ اللہ نے کہا۔ کیوں تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی میرا جھوٹا پانی پینے پر لڑ چکی ہو؟

حُسن آرا نے کہا میں لڑی تھی یا صرف اتنی بات کہی تھی کہ جتنی پیاس ہوا کرے اُسی قدر پانی لیا کرو۔ گلاس میں جھوٹا پانی چھوڑ دینا عیب کی بات ہے۔

پھر اصغری نے محمودہ سے پوچھا وہ "رسالہ الوان نعمت" جو میں نے تم کو دیا تھا اس میں کے تم سب کھانے پکا کر دیکھ چکیں یا ابھی نہیں؟

محمودہ نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا میں اپنی دانست میں سب پکا چکی ہوں بلکہ کئی کئی بار نوبت آچکی ہے۔ جتنی بڑی لڑکیاں

ہیں معمولی روزمرہ کے کھانوں کی ترکیب سب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کے کباب۔ سیخ کے، پسندوں کے، شامی، گولوں کے، کوفتہ، پلاؤ، زردہ، متنجن، کچی بریانی، نورمحلی، قورمہ پلاؤ۔ سنبوسے، میٹھے، سلونے، قلمی بڑے، دہی بڑے، سہال، سیو، گھی کی تلی دال، کچوریاں، پاپڑ، بورانی، فیرنی، حلوا سوہن، پپڑی کا زم، اندرسے کی گولیاں سب چیزیں بار بار پک چکی ہیں۔ اور سب لڑکیوں نے پکتے دیکھیں بلکہ اپنے ہاتھوں پکائی ہیں۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے مکتب میں ہنڈکلھیا کا تو نام ہے جو چیز پکتی ہے خاصے ایک کنبے کے لائق پکتی ہے۔ اور حسن آرا کو تو چٹنیوں اور مربّوں سے بہت شوق ہے۔ یہ چیزیں اُن کے سوائے اور لڑکیاں کم جانتی ہیں۔

اس کے بعد اصغری نے سفیہن سے کہا کہ بوا! اب تم کو یہاں کی ہنڈکلھیا کا فائدہ تو معلوم ہو گیا ہو گا۔ رات زیادہ گئی، بعض لڑکیوں کے گھر دور ہیں اگر کل آؤ تو گڑیوں کی سیر تم کو دکھائیں۔ اور شام تک رہو تو کہانیاں بھی سنوائیں۔

سب لوگ رخصت ہوئے۔ سفیہن چلتے چلتے اصغری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ اُستانی جی! للہ میرا قصور معاف کیجئے گا۔

CH. 22

اگلے روز جو سفیہن آئی تو لڑکیوں کے کشیدے اور لڑکیوں کے بُنے ہوئے گوٹے۔ لڑکیوں کے موڑے ہوئے گوکھرو۔ لڑکیوں کی بنائی ہوئی تولیاں اور ضپیا۔ لڑکیوں کے قطع کئے ہوئے اور سیے ہوئے مردانے اور

زنانے کپڑے۔ اصغری نے سب دکھائے۔ جن کے دیکھنے سے سفیہن کو نہایت اچنبھا پیدا ہوا۔

اس کے بعد لڑکیوں کی گڑیوں کے گھر دکھائے۔ ان گھروں میں خانہ داری کا سب لوازمہ۔ فرش فروش، گاؤ تکیے، اُگالدان، چلمچی آفتابہ، پٹاری، پردہ، چلمن، چھپرکھٹ، پنکھا، مسہری، پلنگ۔ ہر طرح کے برتن ہر طرح کا سامانِ آرائش اپنے اپنے ٹھکانے سے رکھا ہوا تھا۔ اور گڑیاں ایسی سجی ہوئی تھیں کہ عین مین شادی کے گھر میں مہمان جمع ہیں۔

جب گڑیوں کے گھروں کو دیکھ چکی تو اصغری نے سفیہن سے کہا کہ لڑکیوں کے سب کھیلوں میں مجھ کو گڑیوں کا کھیل بہت پسند ہے۔ اس کے ذریعہ سے لڑکیاں سینا پرونا۔ کپڑوں کی قطع اور گھر کا بندوبست ہر طرح کی تقریبات۔ چھٹی، کھیر چٹائی، دودھ چھڑائی، بسم اللہ، روزہ، منگنی، عیدی، ساونی، محرم کی تعلیاں اور گوٹا۔ تیج تہوار۔ ساچق۔ برات، جوڑا۔ بیاہ۔ چالے۔ چوتھی کی راہ و رسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں۔

بوا سفیہن تمہاری لڑکی تو ابھی تھوڑے دنوں سے آتی ہے۔ جو لڑکیاں میرے مکتب میں بہت دنوں سے ہیں۔ جیسے یہ بیٹھی ہے، ام البنین یا میری نند محمودہ یا حسن آرا۔ توبہ توبہ کرکے کہتی ہوں کہ اگر ان کو کسی بڑے بھرے پُرے گھر کا انتظام اس وقت سونپ دیا جائے تو انشاءاللہ ایسا کریں گی جیسے کوئی بڑی مشاق اور تجربہ کار کرتی ہے۔ میں تو صرف

پڑھنے پر تاکید نہیں کرتی۔ ان کو دُنیا کے کام کا بناتی ہوں جو چند روز بعد ان کے سر پڑے گا۔

یہ کہہ کر اصغری نے حُسن آرا کو بُلایا اور کہا کہ بوا، تمھاری گڑیا کا گھر تو خوب آراستہ ہے۔ صرف ایک کسر ہے کہ تمھاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نہیں معلوم ہوتے۔ شاید تم کو رنگنا نہیں آتا۔

حُسن آرا نے کہا رنگ تو مجھ کو محمودہ بیگم نے بہت سکھا دیے ہیں یوں ہی نہیں رنگے۔

اصغری نے کہا۔ بھلا بتاؤ تو۔

حُسن آرا بولی۔ اُستانی جی!

برسات کے رنگ:۔ سُرخ، نارنجی، گُلِ انار۔ گُلِ شفتالو، سردئی دھانی، اودا۔ اور

جاڑے کے:۔ گیندئی، جوگیا، عنابی، کاہی، تیلیا، کاکریزی، سیاہ، نیلا، گلابی، زعفرانی، کوکئی، کرنجوئی۔ اور

گرمی کے:۔ پیازی، آبی، چنپئی، کپاسی، بادامی، کافوری، دودھیا، خشخاشی، فالسئی، ملاگیری، سیندوریہ۔

اور رنگ تو اور بہت ہیں مگر میں نے وہی بیان کیے جو اکثر پہنے جاتے ہیں۔

اصغری نے پوچھا۔ رنگوں کے نام تو تم نے بہت سے گنوا دیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ سب رنگ تم کو رنگنے بھی آتے ہیں؟

حُسن آرا نے کہا۔ میں نے انھیں رنگوں کا نام لیا جو مجھ کو خود رنگنے آتے ہیں۔

اصغری نے کہا۔ بھلا بتاؤ تو سردئی کیونکر رنگتے ہیں؟

حُسن آرا نے کہا۔ کاہی قند اچھی گہرے رنگ کی آدھ گز منگوائی اور پانی کو خوب جوش کر کے پھٹکری ڈال کر ہلا دیا۔ پھٹکری کی تاثیر سے قند کا رنگ کٹ جائے گا پس اُس میں کپڑا رنگ لیا۔

اصغری نے کہا۔ بھلا اور اگر قند نہ ملے۔

حسن آرا نے کہا تو ٹیسو کے پھولوں کو جوش کر کے پھٹکری پیس کر ملا دے سردئی ہو جائے گا لیکن ہلکا کپاسی ہو گا۔ اچھا سردئی بے قند کے نہیں رنگا جاتا اور اگر قند کی جگہ بانات کا رنگ کاٹا جائے تو وہ عمدہ رنگ آتا ہے کہ سبحان اللہ۔ لیکن ان دنوں مجنٹن ایسا چلا ہے کہ سب رنگوں کو مات کیا ہے۔ کپڑے تو کپڑے۔ مٹھائی، کھانے کا گوٹا، مجنٹن میں نہایت خوش رنگ رنگا جاتا ہے۔ بڑی آپا جان نے مجنٹن کے رنگ کا زردہ پکا کر بھیجا تھا۔ زعفران سے بہتر رنگ تھا۔

اصغری خانم نے گھبرا کر پوچھا۔ حُسن آرا! کہیں تم نے تو وہ مجنٹن کے رنگے ہوئے چاول نہیں کھائے؟

حسن آرا نے کہا۔ میں نے کھائے تو نہیں لیکن اُستانی جی کیوں کیا کچھ بُری بات ہے؟

اصغری نے کہا۔ اَے ہے، مجنٹن میں سنکھیا پڑتی ہے۔ خبردار مجنٹن کی کوئی چیز زبان پر مت رکھنا۔

حُسن آرا نے کہا۔ میں نے تو مجنٹن کا رنگا ہوا گوٹا مُرم میں بہت کھایا ہے۔

اصغری نے کہا۔ کیا ہوا! رتی برابر مجنٹن میں تو بہتیرا گوٹا رنگا جاتا ہے۔ اس سبب تم کو کچھ نقصان نہ کیا۔ لیکن یاد رکھو کہ اس میں زہر ہے۔

حسن آرا نے کہا کہ مجنٹن کی رنگی ہوئی مٹھائی لوگ منوں کھاتے ہیں۔

اصغری خانم نے کہا۔ بہت بُرا کرتے ہیں۔ زہر جب اپنی معتاد پر پہنچ جائے گا۔ ضرور اثر کرے گا۔

شام ہوئی تو لڑکیاں اپنے کشیدے اور کتاب رکھ رکھا معمول بموجب قصے اور کہانیاں اور پہیلیاں کہنے سُننے کو آ بیٹھیں۔

اصغری نے سفیہن سے کہا کہ یہاں چڑے چڑیا کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کہانیوں کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے جس میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور ہر ایک کہانی سے ایک نصیحت کی بات نکالی ہے۔ اس کتاب کی زبان بھی بہت شستہ ہے۔ اب یہ لڑکیاں اُسی کتاب کی کہانیوں سے جی بہلائیں گی۔ کہانیاں کہنے سے ان کی تقریر صاف ہوتی ہے۔ ادائے مطلب کی استعداد بڑھتی جاتی ہے اور جب کبھی مجھ کو فرصت ہوتی ہے تو میں کہانیوں کے بیچ بیچ میں اُن سے اُلجھتی

جاتی ہوں اور جیسی اُن کی سمجھ ہے۔ یہ میری بات کا جواب دیتی ہیں، اگر اگر نادرست ہوتا ہے میں بتا دیتی ہوں۔ پہیلیوں کے بوجھنے سے ان کی عقل کو ترقی اور اُن کے ذہن کو تیزی ہوتی ہے۔ لیکن تم ان میں بیٹھ کر سیر دیکھو۔ مجھ کو آج عالیہ کی ماں نے بُلا بھیجا ہے۔ ان کے بچے کا جی اچھا نہیں۔ بہت بہت منتیں کہلا بھیجی ہیں۔ نہ جاؤں گی تو بُرا مانیں گی اور میرا جی بھی نہیں مانتا۔

سفیہن بولی۔ ہاں میں نے بھی سُنا ہے کہ اُن کے لڑکے نے کئی دن سے دودھ نہیں پیا۔ بیچاری بہت ہراساں ہو رہی ہیں۔ اَے ہے خدا کرے نگوڑا جیتا رہے۔ بڑے اللہ آمین کا بچہ ہے۔ دس برس میں پھڑک پھڑک کر خدا نے یہ صورت دکھائی ہے۔ عالیہ کے اوپر یہی تو ایک بچہ ہوا ہے۔ اُستانی جی! تم کو علاج کے واسطے بلایا ہوگا۔

اصغری نے کہا۔ علاج ولاج تو مجھ کو کچھ بھی نہیں آتا۔ ایک مرتبہ پہلے اس لڑکے کو پیاس ہو گئی تھی۔ میں نے زہر مہرہ، بنسلوچن گلاب کا زیرہ، چھوٹی الائچی، زیرے کی گری، کباب چینی، خرفہ، اس طرح کی دو چار دوائیں بتا دی تھیں۔ خدا کا کرنا، لڑکا اچھا ہو گیا۔

سفیہن نے کہا۔ استانی جی! تم سب گنوں پوری ہو۔

اصغری نے کہا۔ اس میں گُن کی کیا بات ہے؟ ہمارے میکے میں دوا درمن کا بہت خیال ہے۔ جب میں چھوٹی تھی جو دوا آتی

میں ہی اُس کو چھانتی بناتی اور خیال رکھتی۔ اس طرح پرسُنی سنائی دو چار دوائیں یاد ہیں۔ جس کو ضرورت ہوئی بتادی۔ اور بچوں کا علاج تو عورتیں ہی کر کرا لیا کرتی ہیں۔ جب ایسی ہی مشکل آپڑتی ہے تو حکیم کے پاس جاتے ہیں۔

سفیہن نے کہا۔ اُستانی جی تم نے مہربانی کرکے مجھ کو اپنے مکتب کا سب انتظام تو دکھا یا اللہ ذرا دم کے دم ٹھہر جاؤ تو میں دیکھ لوں کہ لڑکیاں کیونکر کہانیاں کہتی ہیں اور کہانیوں میں کیونکر تم تعلیم کرتی ہو؟

اصغری نے کہا۔ بوا! مجھ کو تو دیر ہوتی ہے۔ خیر تمھاری خاطر ہے۔ اچھا لڑکیو! آج کس کی باری ہے؟

محمودہ نے کہا۔ باری تو امۃ اللہ کی ہے لیکن فضیلت سے کہلایئے،

اصغری نے کہا۔ اچھا، فضیلت، کوئی بہت چھوٹی سی کہانی کہو۔

فضیلت نے کہانی شروع کی کہ:۔

ایک تھا بادشاہ ....

اصغری نے پوچھا۔ بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟

فضیلت بولی۔ جیسے دلّی میں بہادر شاہ تھے۔

اصغری:۔ یہ تو تم نے ایسی بات کہی کہ جو دلّی اور بہادر شاہ کو جانتا ہو، وہی سمجھے۔

فضیلت:۔ بادشاہ حاکم کو کہتے ہیں۔

اصغری:۔ تو کوتوال تھانہ دار بھی بادشاہ ہیں۔

فضیلت:۔ نہیں، کوتوال، تھانہ دار تو بادشاہ نہیں ہیں یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں۔

اصغری:۔ کیوں کیا کوتوال حاکم نہیں ہے؟

فضیلت:۔ حاکم تو ہے لیکن بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے۔ اور سب پر حکم چلاتا ہے۔

اصغری ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت:۔ جب سے بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تب سے تو کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

یہ سُن کر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری:۔ فضیلت! تم بڑی بیوقوف ہو۔ تم نے خود کہا کہ "جو سب سے بڑا حاکم ہو اور سب پر حکم چلاوے وہ بادشاہ ہوتا ہے۔" اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟

فضیلت:۔ ہاں ہوئے تو سہی۔

اصغری:۔ اچھا۔ اب یہ بتاؤ، ہمارا کون بادشاہ ہے؟

فضیلت:۔ انگریز۔

اصغری:۔ کیا انگریز کسی خاص شخص کا نام ہے؟

فضیلت :- نہیں سیکڑوں ہزاروں انگریز ہیں ۔
اصغری :- کیا سب انگریز بادشاہ ہیں ؟
فضیلت :- اور کیا ۔
یہ سن کر پھر سب لڑکیاں ہنسیں ۔
اصغری نے حُسن آرا کی طرف اشارہ کیا کہ تم جواب دو ۔
حُسن آرا :- ہمارا بادشاہ ۔ ملکۂ وکٹوریہ ہے ۔
اصغری :- مرد ہے یا عورت ؟
حُسن آرا :- عورت ہے ۔
اصغری :- کہاں رہتی ہے ؟
حُسن آرا :- لندن میں ۔
اصغری :- لندن کہاں ہے ؟
حُسن آرا :- انگریزوں کی ولایت میں ایک بہت بڑا شہر ہے ۔
اصغری :- کتنی دُور ہوگا ؟
حُسن آرا :- میں نے ایک کتاب میں پانچ ہزار کوس لکھا دیکھا ہے ۔
اصغری :- کوس کتنا لمبا ہوتا ہے ؟
حُسن آرا :- استانی جی ! سلطان نظام الدین کو تین کوس کہتے ہیں ۔

یہ سُن کر محمودہ ہنسی اور کہا کہ ۲۰۰۰ گز کا ہوتا ہے ۔

اصغری نے محمودہ سے پوچھا کہ اس مرتبہ جو میں قطب صاحب گئی تھی اور تم بھی میرے ساتھ تھیں ۔ تم نے بھی دیکھا تھا کہ تھوڑی تھوڑی دُور سڑک پر پتھر گڑے تھے اور پتھروں پر لکھا ہوا تھا ، وہ پتھر کیسے تھے ؟

محمودہ :- میں اٹکل سے یہی سمجھتی تھی کہ کوسوں کے پتھر ہیں لیکن گاڑی ایسی تیز تھی کہ پتھروں پر نگاہ نہیں جمتی تھی ۔ میں خوب نہیں پڑھ سکی کہ اُن پر کیا لکھا تھا ؟

اصغری :- وہ کوسوں کے پتھر نہیں تھے میلوں کے پتھر تھے ، آدھے کوس کا میل ہوتا ہے اور ہر میل پر پتھر گڑا ہے ۔ اُس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہاں سے دلّی اس قدر میل ہے اور قطب صاحب اتنے میل ۔

اس کے بعد اصغری پھر حُسن آرا کی طرف مخاطب ہوئی ۔ اور پوچھا ۔ ہاں بوا ، لندن کس طرف ہے ؟
حُسن آرا :- اُتر پچھم میں ہے ۔
اصغری :- وہ ملک گرم ہے یا سرد ؟
حُسن آرا :- یہ تو میں نہیں جانتی ۔
محمودہ :- بڑا سرد ہے جتنا اُتر کو جاؤ گرمی کم ہے اور جتنا دکھن کو

چلو گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

سفیہن:- استانی جی! عورت بادشاہ ہے؟

اصغری:- اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

سفیہن:- تعجب کی بات کیوں نہیں ہے۔ عورت ذات کیا کرتی ہوگی؟

اصغری:- جو مرد بادشاہ کرتے ہیں وہی عورت کرتی ہے۔ ملک کا بندوبست، رعیت کا پالنا۔

سفیہن:- عورت تو کیا کرتی ہوگی؟ کرتے سب کچھ انگریز ہوں گے برائے نام عورت کو بادشاہ بنا رکھا ہوگا؟

اصغری:- یہ سب انگریز ملکہ کے نوکر ہیں۔ ہر ایک کا کام الگ ہے ہر ایک کا اختیار جُدا ہے۔ اپنے اپنے کام پر سب مستعد رہتے ہیں۔ اور جب مرد بادشاہ ہوتے ہیں تب بھی وزیر وزرا سب کام کیا کرتے ہیں۔

سفیہن:- میرا جی تو قبول نہیں کرتا کہ عورت ذات بادشاہت کر سکے۔

اصغری:- بھوپال کی بیگم کا نام سُنا ہے؟

سفیہن:- کیوں، سنا کیوں نہیں۔ خود میرے سسرے بھوپال میں نوکر ہیں۔

اصغری:- بس اسی طرح سمجھ لو۔ بھوپال ذرا سا ملک ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے پاس بڑی سلطنت ہے۔ جس طرح بھوپال کی بیگم اپنے

چھوٹے ملک کا بندوبست کرتی ہیں ملکہ وکٹوریہ اپنی بڑی سلطنت کا انتظام کرتی ہیں۔ بھوپال چھوٹی سرکار ہے نوکر چاکر کم ہیں اور تھوڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کی سرکار بڑی عالی جاہ سرکار ہے بڑے کارخانے لاکھوں نوکر تنخواہیں بیش قرار۔

سفیہن:- اچھی! ملکہ کا کوئی میاں ہے؟

اصغری:- ہاں مگر موت پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ چاند کو بھی خدا نے داغ لگا دیا ہے۔ کئی برس ہوئے ملکہ بیوہ ہو گئیں۔

سفیہن:- ملکہ کی اولاد ہے؟

اصغری:- ہاں۔ خدا رکھے بیٹے پوتے نواسے سب کچھ ہیں۔

سفیہن:- اچھی! ملکہ اس ملک میں کیوں نہیں آتیں؟

اصغری:- وہاں بھی بڑا ملک ہے۔ وہاں کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی لیکن ان دنوں ملکہ کا بیٹا آنے والا ہے۔ بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں نے اخبار میں دیکھا ہے۔

سفیہن:- اچھی! ملکہ کو ہزاروں کوس دور بیٹھے یہاں کی کیا خبر ہوتی ہوگی؟

اصغری:- کیوں نہیں۔ ذرا ذرا خبر ہوتی ہے۔ ڈاک، اور تار برقی پر رات دن خبریں آتی جاتی ہیں۔ ہزاروں اخبار ولایت جاتے ہیں۔

سفیہن:- ملکہ کو کیونکر دیکھیں؟

اصغری :۔ کیونکر بتاؤں؟ لیکن اُن کی تصویر البتہ دیکھ سکتی ہو۔

سفیہن :۔ خیر تصویر ہی دیکھ لیتے۔

اصغری :۔ بوا! تم بھی تماشہ کی باتیں کرتی ہو۔ کیا تم نے روپیہ نہیں دیکھا؟

سفیہن :۔ کیوں نہیں دیکھا؟

اصغری :۔ عورت کا چہرہ جو بنا ہے وہ ملکہ کی تصویر ہے خطوں کے ٹکٹ پر ملکہ کی تصویر ہے اور میرے پاس ملکہ کی ایک بڑی عمدہ تصویر اور ہے۔ میرے ابّا کو کسی انگریز نے دی تھی وہ انھوں نے میرے پاس بھیجدی تھی۔

محمودہ! میرا صندوقچہ تو اٹھا لاؤ۔

صندوقچہ میں سے اصغری نے ملکہ کی تصویر نکال کر دکھائی اور سب لڑکیوں نے نہایت شوق سے ملکہ کی تصویر کو دیکھا۔

سفیہن :۔ کیا اچھی تصویر ہے۔ عین مین ملکہ کھڑی ہیں۔

اصغری :۔ بیشک یہ تصویر ہو بہو ملکہ کی ہے۔ روپے کے چہرہ سے ملا کر دیکھو کتنا فرق ہے؟ یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہیں ہے ایک آئینہ ہوتا ہے اس کو کچھ مصالحہ لگا کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ خود بخود جیسے کا تیسا عکس اُتر آتا ہے۔

سفیہن :۔ حُسن آرا نے لندن کو پانچ ہزار کوس دور بتایا

تو کہیں برسوں میں یہاں سے وہاں تک آتے جاتے ہوں گے؟

اصغری :۔ نہیں، سمندر سمندر ایک مہینہ میں بافراغت پہنچ جاتے ہیں۔

سفیہن۔ اے ہے۔ سمندر ہو کر جانا پڑتا ہے۔ انگریزوں کے بھی کیسے دل ہیں۔ ان کو سمندر سے ڈر نہیں لگتا؟ میرے تو سمندر کا نام سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اصغری :۔ سمندر سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مزے میں جہاز پر بیٹھ لئے۔ اچھا خاصہ خانۂ رواں بن گیا۔

سفیہن :۔ اے ہے، اُستانی جی! ڈوبنے کا کیسا بڑا کھٹکا ہے۔ لو، پار سال کی بات ہے کہ نواب قطب الدین خاں کے ساتھ میری خلیا ساس حج کو گئی تھیں۔ کچھ ایسی گھڑی سے گئیں کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہ ہوا۔

اصغری خانم :۔ ہاں اتفاق کی بات ہے۔ جہاز کبھی کبھار ڈوب بھی جاتے ہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ آئے دن ڈوبا کریں تو سفر دریا کا کوئی نام نہ لے۔ اب تو دریا کا راستہ خشکی کی سڑکوں سے زیادہ آباد ہو رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں جہاز رات دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ انگریز اور اُن کی بیوی بچّے اور کل انگریزی اسباب سب جہاز کی راہ یہاں آتا ہے۔

سفیہن :۔ انگریزوں کی عورتوں کا کیا ذکر وہ تو کچھ اور ہی طرح کی عورتیں ہیں ۔ ہماری ان کی کیا ریس ۔ وہ تو باہر پھرتی ہیں سنتی ہوں ننھے ننھے بچوں کو ولایت بھیجدیتی ہیں اور ان کا دل نہیں کڑھتا ۔ نہیں معلوم کس قسم کی مائیں ہیں ! کیونکر اُن کے دل کو صبر آتا ہے ؛ پھر باہر کی پھرنے والیاں اور لوہے کے دل ان کو ایک سمندر کیا ہوا پر بھی اُڑنا مشکل نہیں ۔

اصغری خانم :۔ باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی تو ان کے مُلک میں پردے کا دستور نہیں ۔ غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں میں بھاگ گئے تھے ۔ وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا ۔ سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتی تھیں لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی ، باہر کی پھرنے والیوں میں وہ شرم و لحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے اور بچوں کو ولایت بھیجدینے سے تم کیونکر سمجھیں کہ اولاد کی محبّت نہیں ۔ البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے ۔ یہاں کی ماؤں کی طرح باؤلی محبّت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں ۔ ہنر حاصل کرنے سے باز رکھیں ۔ نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتی ہیں ۔ اولاد کو ناہموار اُٹھاتی جاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں ۔

یہاں پہنچکر سب نے سکوت کیا تو فضیلت نے اپنی کہانی شروع کی .... اور اُس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا ۔ اکیلی ایک بیٹی تھی ۔ بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ میرے بعد یہی لڑکی وارث سلطنت ہوگی اس

لڑکی کو خوب پڑھوایا لکھوایا اور ملک داری کا قانون قاعدہ سب اُس کو اچھی طرح سکھایا اور اپنے جیتے جی اُسی کو ملک کا کام سونپ دیا ......

فضیلتؔ یہاں تک پہنچی تھی کہ اصغری خانم نے کہا ۔ بوا! تم تو چھپ چھپ کہانی کہتی جاتی ہو اور میرے دل میں پوچھنے کو ہزاروں باتیں بھری ہیں ۔ پر کیا کروں ، دن تو ہو چکنے پر آیا اور مجھ کو عالیہ کے گھر جانا ضرور ہے ۔ شام کے وقت کسی کے گھر عیادت کو جانا بھی منع ہے ۔ میں تو اب نہیں ٹھہر سکتی ۔ تم لڑکیاں آپس میں کہو سنو ۔ اور سفیہن سے کہا کہ لو ، بوا! اللہ بیلی ، میں تو جاتی ہوں ۔ تمھارا جی چاہے تو تم بیٹھی رہو یا کل پھر آجانا ۔ یہاں تو روز یہی ہوا کرتا ہے ۔

غرض اصغری خانم تو عالیہ کے گھر روانہ ہوئیں اور سفیہن تو ایسی ریجھیں کہ پہر رات تک لڑکیوں میں بیٹھی رہ گئیں ۔

اصغری خانم کے پیچھے محمودہ اور حسن آرا نے کہانی کے بیچ بیچ خوب خوب مزے کی باتیں نکالیں ۔

اس بیان سے اصغری کے مکتب کا انتظام اور اس کی تعلیم اور تلقین کا طریقہ بخوبی ظاہر ہے ۔

اصغری بیشک حسن آرا کو بہت چاہتی تھی اور اُس سے زیادہ اپنی نند محمودہ کو ۔ حسن آرا کو اس خوبی سے پڑھایا کہ دو برس میں فارسی پڑھنے لگی اور اُردو میں خط لکھ لیتی تھی ۔ نہ وہ بدمزاجی حسن آرا کی باقی

رہی نہ وہ چڑچڑاپن۔ بڑی غریب لکھی پڑھی ہنرمند پیاری بیٹی بن گئی۔

جمال آرا کا برسوں کا اجڑا ہوا گھر اصغری کی بدولت خدا نے پھر آباد کیا۔ لیکن یہ تمام قصّہ دوسری کتاب میں لکھا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ حکیم جی کا تمام گھر چھوٹے بڑے اصغری کے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔ سلطانہ بیگم نے لاکھ لاکھ حکمتیں کیں کہ اصغری کچھ لے مگر اُس خدا کی بندی نے کچھ نہ لیا۔ جب حُسن آرا کا بیاہ ہونے لگا تو بڑے حکیم صاحب نے مولوی محمّد فاضل کا دباؤ ڈال کر اصغری کو ہزار روپے کے جڑاؤ کڑے دیے اور کہا۔ سنو، تم میری پوتیوں اور نواسیوں کے برابر ہو۔ میں تم کو اُستانی گری کی رو سے نہیں دیتا بلکہ اپنا بچّہ سمجھ کر دیتا ہوں اُدھر مولوی صاحب نے سمجھایا تو اصغری نے کڑے لے لئے۔

بیان میں ہم دوسری بات لکھنے لگے۔

CH. 23

اِدھر تو صغری اپنے مکتب میں مصروف تھی اُدھر محمّد کامل بے روزگاری سے گھبراتا تھا۔

ایک دن اصغری سے کہنے لگا کہ اب میرا جی بہت گھبراتا ہے۔ اگر تمھاری صلاح ہو تو میں تحصیلدار صاحب کے پاس پہاڑ پر چلا جاؤں اور اُن کے ذریعہ سے نوکری تلاش کروں۔

اصغری نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا کہ نوکری کرنی تو بہت ضرور ہے اس واسطے کہ تم دیکھتے ہو کیسی تنگی سے گھر میں گزر ہوتی ہے۔ ابا جان

اب بڈھے ہوئے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ گھر میں بیٹھیں اور تم کما کر ان کی خدمت کرو۔ علاوہ اس کے محمودہ بڑی ہوتی جاتی ہے۔ میں اس کی فکر میں ہوں اور ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس کا بیاہ ہو اور میں تدبیر کر رہی ہوں۔ انشاء اللہ اسی برس اس کی بات ٹھہری جاتی ہے۔ لیکن اس کے واسطے بڑا سامان درکار ہوگا اور اس وقت تک کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔ بھائی جان اوّل تو الگ ہیں اور پھر ایسی چھوٹی نوکری میں اُن کی اپنی گزر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے کو کہاں سے دے سکتے ہیں۔ پس سوائے اس کے کہ تم نوکری کرو اور کوئی صورت نہیں۔ لیکن پہاڑ پر جانے کی میری صلاح نہیں۔ ابّا تو تمھارے واسطے کوشش کریں گے اور غالب ہے کہ جلد تر اچھی نوکری بھی مل جائے لیکن کسی کا سہارا پکڑ کر نوکری کرنا کچھ ٹھیک بات نہیں۔ بلا سے تھوڑی ہو پر اپنے قوتِ بازو سے ہو۔ گو ابّا کوئی غیر نہیں ہیں اور رشتے میں بھی تم سے اُن کا ہاتھ اونچا ہے۔ اُن سے لینا کیا بلکہ مانگنا بھی عیب نہیں پھر بھی خدا کسی کا احسان مند نہ کرے۔ سدا آنکھ جھک جاتی ہے انھوں نے منہ پر نہ رکھا تو کنبے میں اللہ رکھے سَو آدمی ہیں۔ منہ در منہ نہ کہیں گے تو پیٹھ پیچھے ضرور کہیں گے کہ دیکھو سسرے کے سہارے سے نوکر ہوئے

محمّد کامل نے کہا۔ پھر کیا کروں؟ لاہور چلا جاؤں۔

اصغری نے کہا۔ لاہور میں کیا ہے؟ رئیس کی سرکار خود تباہ ہے

اباجان کو بھی نہیں معلوم پہلے کا لحاظ مان کر دہ کس طرح پچاس روپیہ دیتا ہے نئے آدمی کی گنجائش اُس کی سرکار میں کہاں ؟

محمد کامل نے کہا۔ اور بہت سی سرکاریں ہیں۔

اصغری نے کہا۔ جب سے انگریزی ہوئی سب رئیس اسی طرح تباہ ہیں پچھلی نام نمود کو سب نباہتے ہیں۔ اس سے دس پانچ صورتیں اُن کے یہاں لگی لپٹی رہتی ہیں۔ کیا خاک، برسوں تنخواہ نہیں ملتی۔

محمد کامل نے کہا۔ پھر کیا علاج ؟

اصغری نے کہا۔ انگریزی نوکری تلاش کرو۔

محمد کامل نے کہا۔ انگریزی نوکری تو بے سعی سفارش کے نہیں ملتی ہزاروں لاکھوں آدمی مجھ سے بہتر بہتر مارے مارے پھرتے ہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

اصغری نے کہا۔ ہاں سچ ہے لیکن جب آدمی ارادہ کرے تو خدا پر توکل کر کے ناامیدی کا تصوّر ذہن میں نہ آنے دے۔ مانا کہ ہزاروں نوکری کی جستجو میں لاحاصل پھرتے ہیں لیکن جو نوکر ہیں وہ بھی تمھیں ایسے آدمی ہیں اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ نوکری تقدیر سے ملتی ہے۔ بڑے لائق دیکھتے رہ جاتے ہیں اور اگر خدا کو دینا منظور ہوتا ہے تو نہ وسیلہ ہے نہ لیاقت۔ چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔ گھر سے بلا کر نوکر رکھ لیتے ہیں۔

محمد کامل نے کہا۔ تو غرض یہ ہے گھر بیٹھا رہوں۔

اصغری نے کہا۔ یہ ہرگز میرا مطلب نہیں ہے جہاں تک اپنے سے ہو سکے ضرور کوشش کرنی چاہیئے۔

محمد کامل نے کہا۔ یہی تو مشکل ہے کہ کیا کوشش کروں ؟

اصغری نے کہا۔ جو لوگ نوکری پیشہ ہیں اُن سے ملاقات پیدا کرو۔ اُن سے محبت بڑھاؤ۔ ان کے ذریعہ سے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی۔ اور اُنھیں کے ذریعہ سے تم کسی حاکم تک پہنچ جاؤ گے۔

محمد کامل نے یہی کیا کہ نوکری والوں سے ملاقات کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ سررشتہ دار، تحصیلدار، ایسے لوگوں میں بھی آنے جانے لگا، روز کے آنے جانے سے سب کو معلوم ہوا کہ ان کو بھی نوکری کی جستجو ہے۔

یہانتک کہ بندہ علی بیگ نے جو کچہری میں اظہار نویس تھے محمد کامل سے کہا کہ میاں! نوکری کی تلاش ہے؟ تو میرے ساتھ کچہری چلا کرو۔ چندے امیدواری کرو سررشتہ کے کام سے واقفیت پیدا کرو۔ حاکموں کو صورت دکھاؤ۔ اسی طرح کبھی نہ کبھی ڈھب لگ جائے گا۔

محمد کامل کچہری جانے لگا اور بندہ علی بیگ کے ساتھ کام کیا کرتا تھا۔ یہانتک کہ حاکم سے دستخط کرا لاتا۔ حاکم لوگ اس کو جاننے لگے۔ اسی اثنا میں چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں کی دو چار عرضیاں بھی محمد کامل کو مل گئیں۔ کسی عملے کو رخصت کی ضرورت ہوئی وہ آدھی تہائی تنخواہ پر عرضی اُس کو دے گیا۔ یہانتک کہ اتفاق سے ایک دس روپیہ کا روزنامچہ نویس

تین مہینے کی رخصت پر گیا تھا۔ تین مہینے بعد اُس نے استعفا بھیج دیا اور مولوی محمد کامل صاحب اُس کی جگہ پر مستقل ہو گئے۔

کبھی کبھی اصغری سے نوکری کا تذکرہ آتا تو محمد کامل حقارت کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ کیا واہیات نوکری ہے۔ دن بھر پیسنا اور دسں روپے، نہ اوپر سے کچھ پیدا ہے نہ آئندہ کو ترقی کی امید۔ میں تو اس کو چھوڑ دوں گا۔

اصغری ہمیشہ ایسے خیالات پر ملامت کرتی کہ سخت ناشکری تم کرتے ہو۔ وہ دن بھول گئے کہ امیدواری بھی نصیب نہ تھی یا اب سرکار ہو تو قدر نہیں کرتے۔ گھر کے گھر میں دسں روپے کیا کم ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو دیکھو کہ کئی برس تک سوداگر کے یہاں دسں روپے کی نوکری کرتے رہے اور جب تم نوکری سے ایسے دل برداشتہ ہو تو تم سے کام بھی کیا خاک ہوتا ہوگا آخر کو نوکری خود چھوٹ جائے گی اور اسی طرح تھوڑے سے بہت بھی ہوتا ہے۔ ہمارے ابا پہلے آٹھ روپے مہینے کے نقل نویس تھے اب خدا کے فضل سے تحصیلدار ہیں اور خدا نے چاہا تو اور بھی بڑھیں گے۔ اوپر کی آمدنی پر کبھی بھول کر بھی نظر مت کرنا۔ حرام کے مال میں ہرگز برکت نہیں ہوتی تقدیر سے بڑھ کر مل نہیں سکتا۔ پھر آدمی نیت کو ڈانواں ڈول کیوں کرے۔ اگر اس سے زیادہ ملنے والا ہے تو خدا حلال سے بھی دے سکتا ہے۔

غرض اصغری ہمیشہ محمد کامل کو سمجھاتی رہتی تھی۔

یہانتک کہ جس حاکم کے پاس محمد کامل نوکر تھا اس کی بدلی سیالکوٹ کو

ہوئی۔ یہ حاکم محمد کامل پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ دن کو کچہری میں یہ حال معلوم ہوا۔ شام کو محمد کامل گھر میں آیا تو بہت افسردہ خاطر تھا۔

اصغری نے پوچھا۔ خیریت ہے؟ آج کیوں اُداس ہو؟

محمد کامل نے کہا۔ کیا بتاؤں۔ جمیس صاحب کی بدلی سیالکوٹ کو ہو گئی۔ وہی تو ایک اپنے مہربان حال تھے۔ اب کچہری میں رہنے کا مزہ نہیں۔

اصغری نے بہت دیر تک سکوت کیا۔ پھر کہا کہ بیشک جمیس صاحب کا بدل جانا افسوس کی بات ہے لیکن نہ اس قدر کہ جتنا تم کو ہے۔ دوسرا جو اُن جگہ آئے گا خدا اُس کے دل میں بھی رحم ڈال دے گا۔ آدمی کو آدمی پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیئے۔

اصغری نے پوچھا۔ جمیس صاحب کب جائیں گے؟

محمد کامل نے کہا۔ کل شام کو ڈاک میں سوار ہو جائیں گے۔

اصغری نے کہا۔ تم اُن کے بنگلے پر نہیں گئے؟

محمد کامل نے کہا۔ اب کیا جانا۔

اصغری نے کہا۔ واہ، یہی تو ملنے کا وقت ہے۔ کچھ نہ ہوگا تو کوئی چٹھی پروانہ تم کو دے جائیں گے۔

محمد کامل نے کہا۔ اچھا صبح کو جاؤں گا۔

CH. 24

بہت سویرے کپڑے پہن پہنا محمد کامل جمیس صاحب کے بنگلے پر گیا

جمیس صاحب نے کہا۔ محمد کامل! ہم اب سیالکوٹ جاتا ہے اور ہم تم سے بہت راضی تھا اب تم چاہے تو ہمارے ساتھ سیالکوٹ چلے۔ ہم تم کو وہاں نوکری دے گا۔ نہیں اپنا پاس سے پندرہ روپے دے گا۔

محمد کامل نے سوچ کر کہا کہ اس کا جواب میں حضور کو پھر حاضر ہو کر دوں گا۔ اپنی والدہ سے پوچھ لوں۔

غرض محمد کامل گھر لوٹ کر آیا تو ذکر کیا کہ جمیس صاحب مجھ کو ساتھ لئے جاتے ہیں۔

محمد کامل کی ماں نے تو سنتے ہی غل مچایا۔

اصغری بھی سناٹے میں ہوگئی۔

آخر محمد کامل نے پوچھا کہ صاحبو! بتاؤ میں جا کر کیا جواب دوں؟

محمد کامل کی ماں بولیں۔ کہ جواب کیا دینا ہے اب کیا وہ تیرے لیے بیٹھا رہے گا! یا تیرے لیے سپاہی بھیج رہا ہے؟

محمد کامل نے کہا۔ نہیں جی! میں اُس سے وعدہ کر آیا ہوں اپنے جی میں کہے گا: ہندوستانی کیسے خود مطلبی ہوتے ہیں۔ چلتے وقت ہم سے جھوٹ بولا۔"

محمد کامل کی ماں نے کہا۔ اچھا جا کر کہہ آؤ کہ میرا جانا صاحب نہیں ہو سکتا۔

محمد کامل نے اصغری سے پوچھا۔ کیوں صاحب تمھاری کیا صلاح ہے؟

اصغری نے کہا۔ صلاح اور ہوتی ہے اور دل کی خواہش اور ہوتی ہے۔ دل کی خواہش تو یہی تھی کہ تم یہاں رہو۔ گھر کا انتظام صرف تمھارے دم سے ہے۔ آخر گھر میں کوئی مرد بھی چاہئے۔ اور صلاح پوچھو تو جانا مناسب ہے۔ جب ایک حاکم خود بے کہے تم کو ساتھ لیے جاتا ہے تو ضرور اپنی جگہ پہنچ کر بہت سلوک کرے گا۔

محمد کامل نے کہا۔ پانچ روپے کے واسطے کیا دو تین سو کوس کا سفر کروں؟ میرا دل جانے کو نہیں چاہتا وہ مثل ہے (گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری)

اصغری نے کہا۔ یوں تم کو اختیار ہے لیکن ایسا موقع تقدیر سے ملا ہے پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اور سفر کون نہیں کرتا۔ ہمارے ابا تمھارے ابا دیکھو! ان لوگوں نے عمریں سفر میں تیر کر دیں اور بالفعل پانچ سُن لئے گئے۔ پیچھے دیکھو گے کتنے پانچ ہیں اور اگر نہیں جاتے تو پھر دس روپیہ سے بیدلی ست ظاہر کرو۔

محمد کامل نے کہا تو یہاں کی نوکری کو استعفا دے جاؤں اور فرض کیا کہ وہاں کچھ صورت نہ ہوئی تو اُدھر سے بھی گیا اور اِدھر سے بھی گیا

اصغری نے کہا۔ اوّل تو یہ فرض کرنا کہ وہاں کچھ صورت نہ نکلے خلافِ عقل ہے۔ جمیس صاحب اتنا بڑا حاکم اور تم کو کام دینا چاہے در صورت نہ نکلے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا اور پھر استعفا کیوں دو مہینہ

دو مہینہ کی رخصت لو۔

محمد کامل نے کہا۔ رخصت منظور ہوئی پڑی ہے۔

اصغری نے کہا۔ منظور ہونے کو کیا ہوا۔ اسی جمیس صاحب کے کہو وہ چٹھی لکھدے گا۔

غرض اصغری نے زبردستی جوت کر محمد کامل کو جانے پر راضی کیا، اپنے پاس سے پچاس روپیہ نقد دیا اور چھ جوڑے نئے کپڑے بنوا دیے دیانت کے بیٹے رفیق کو ساتھ کر دیا۔ مولوی محمد کامل سیالکوٹ تشریف لے گئے۔

اُدھر اصغری نے مولوی محمد فاضل صاحب کو یہ تمام حال خط میں لکھا اور یہ بھی لکھدیا کہ جمیس صاحب سیالکوٹ کو جاتے ہوئے ضرور لاہور ہو کر جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکے کہ آپ وہاں اُن سے ملاقات کر کے ان کی سفارش کچھ رئیس سے کرا دیں تو بہت مفید ہوگا۔

مولوی صاحب نے جمیس صاحب کی جستجو کی اور رئیس کے کچھ دیہات ضلع سیالکوٹ میں بھی تھے۔ مولوی صاحب نے رئیس کی طرف سے صاحب کی دعوت کی۔ اور رئیس کے باغ میں ٹھہرایا۔

کھانے کے بعد صاحب اور رئیس دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مولوی صاحب نے جمیس صاحب سے کہا۔ کہ دہلی کی رعایا کو آپ کی مفارقت کا بہت قلق ہے۔ اگرچہ آپ صرف

دو برس دہلی میں حاکم رہے۔ لیکن آپ کے انصاف، آپ کی شرفا پروری سے وہاں کے لوگ بہت خوش تھے۔ بندہ زادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا اُس کے لکھنے سے سب حال معلوم ہوتا رہتا تھا

صاحب نے پوچھا۔ کیا کوئی آپ کا لڑکا بھی میری کچہری میں تھا؟

مولوی صاحب نے کہا۔ محمد کامل۔

صاحب نے کہا۔ وہ تو ہمارے ساتھ آتا ہے، وہ آپ کا بیٹا ہے؟

مولوی صاحب نے کہا۔ آپ کا غلام ہے۔

رئیس نے اس تقریب میں صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب ہماری ریاست کے قدیم الخدمت ہیں اور ہم کو ہر طرح سے اُن کی پرداخت مرکوز خاطر رہتی ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ اب گنجائش نہیں۔ پس اگر آپ اُن کے بیٹے کی پرورش فرمائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

جمیس صاحب پہلے سے محمد کامل کے حال پر ملتفت تھا۔ ایسے وقت مناسب پر تقریب ہو گئی کہ جمیس صاحب کو بہت خیال ہو گیا۔ اوّل تو جوان عمر دوسرے شریف تیسرے رئیس کی سفارش چوتھے خود صاحب کا رفیق پانچویں لائق۔ اتنے حقوق محمد کامل کو حاصل ہو گئے۔

صاحب نے پہلے دن کچہری کرتے ہی محمد کامل کو پچاس روپیہ کا نائب سر رشتہ دار کیا۔ اور مولوی محمد فاضل صاحب کو خط لکھا کر بالفعل ہم نے آپ کے بیٹے کو پچاس روپیہ کی نوکری دی ہے اور ہم جلد

اُس کی ترقی کریں گے۔ آپ رئیس کی خدمت میں اس کی اطلاع کر دیجئے،

مولوی صاحب نے بطرزِ مناسب صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

اور وہ محمد کامل جو کبھی اُمیدواری کا محتاج تھا اور چھوٹے چھوٹے عہدہ داروں کی عرضیاں کرتا تھا اور صرف دس روپیہ کا روزنامچہ نویس تھا اور پندرہ کے وعدے پر اصغری کے جوتنے سے جمیس صاحب کے ساتھ سیالکوٹ آیا تھا اب ایک دَم سے پچاس کا عہدہ دار ہو گیا۔

محمد کامل کی ماں اگرچہ آتے وقت ناخوش ہوئی تھی لیکن پچاس کا نام سُن کر اُن کی باچھیں بھی کھِل گئیں۔ اب تو گھر میں چوگنی برکت ہو گئی۔ اصغری کا انتظام اور بیس کی جگہ اب ساٹھ روپے مہینہ گھر میں آنے لگا۔ کیا پوچھنا ہے۔

محمد کامل آخر ایک ہی برس میں سر رشتہ دار ہو گیا لیکن سر رشتہ دار ہونے تک سنبھلا ہوا تھا۔ خرچ بھی برابر آتا تھا۔ خط بھی متواتر چلے آتے تھے۔ لیکن آخر جوان آدمی تھا خود مختار ہو کر رہا۔ صحبت بُری مل گئی۔ بہک چلا۔ خطوں میں کمی ہونی شروع ہوئی۔

اصغری تو بڑی دانشمند تھی سمجھ گئی کہ دال میں کالا ہے۔ بہت دن تک اصغری فکر میں رہی کہ اب کیا تدبیر کروں۔ آخر کو سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ خود جانا چاہئیے۔

CH. 25

ہر چند اصغری نے سیالکوٹ جانے کا عزمِ مصمم کر لیا تھا لیکن تماشا خانم کو صلاح کے واسطے بُلا بھیجا اور سب حال اُس سے کہا۔

تماشا خانم نے کہا۔ بُوا! کوئی دیوانی ہوئی ہے۔ شہر چھوڑ کر اب کہاں سیالکوٹ جاتی پھرے گی؟

اصغری نے کہا۔ مجھ کو شہر سے کیا مطلب؟ میں تو جس کے ساتھ وابستہ ہوں جہاں وہ وہیں شہر ہے۔

تماشا خانم نے کہا۔ اَے ہے۔ کُنبے والے کیا کہیں گے؟ ہمارے کُنبے میں سے آج تک کوئی باہر نہیں گیا۔

اصغری نے کہا۔ اس میں عیب کی کیا بات ہے؟ آخر یہی کہیں گے کہ میاں کے پاس چلی گئی۔ تو بُرا کیا کیا؟ اور کُنبے کی رسم کو جو پوچھو۔ پچھلے دِنوں نہ ڈاک تھی نہ ریل، نہ رستے آباد تھے۔ عورتوں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ اس سبب سے لوگ نہیں جاتے تھے۔ اب کیا مشکل ہے اگر آج ڈاک میں بیٹھوں اور خدا اصل خیر رکھے تو پرسوں سیالکوٹ داخل، گویا میرٹھ گئے۔

تماشا خانم نے کہا۔ کیا طلبی کا خط آیا ہے؟

اصغری نے کہا۔ خط تو نہیں آیا۔

تماشا خانم بولی۔ بن بُلائے جانا تو مناسب نہیں۔

اصغری نے کہا۔ تم مناسب نامناسب دیکھتی ہو اور میں کہتی ہوں کہ اگر میں نہ جاؤں گی تو عمر بھر کو گھر غارت ہو جائے گا۔

تماشا خانم بولی۔ اَے آپا! ایسی تم کیوں گری پڑتی ہو۔ تم کو اُن کی کیا پرواہ ہے۔ خدا تمھارے مکتب کو سلامت رکھے تم دسنا کو روٹی کھلایا کرو۔

اصغری نے کہا۔ واہ آپ کی بھی کیا سمجھ ہے؟ یہ مکتب تو میں نے اپنا جی بہلنے کے واسطے بٹھالیا ہے کچھ مجھ کو اس سے کمائی کرنی منظور نہیں خدا جانے تم کو یقین آئے یا نہ آئے۔ آج تک میں نے مکتب کی رقم سے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ صرف پچاس روپیہ نقد اور بیس کپڑے کے واسطے تمھارے بھائی جان کو سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور دیے تھے سو بھی قرض میں داخل اور باقی کوڑی کوڑی کا حساب لکھا ہوا موجود ہے دیکھ لو عورتوں کی کمائی بھی کوئی کمائی ہے! اگر عورتوں کی کمائی سے گھر بسا کریں تو مرد کیوں ہوں۔ میرا اپنا گھر بنا رہے تو میں ایسے ایسے دسنا مکتبوں کے اجڑنے کی بھی پروا نہیں کرتی۔

تماشا خانم نے کہا۔ ایسی بھری برسات میں کہاں جاؤگی۔ جاڑا آنے دو اُس وقت کھلے موسم میں دیکھ لینا۔

اصغری نے کہا۔ اَے ہے۔ دیر کرنا تو غضب ہے اب جو کام سمجھانے سے نکلے گا پھر بڑے جھگڑوں سے بھی طے نہیں ہوگا۔

تماشا خانم نے کہا۔ اَے ہے۔ آپا۔ گھر چھوڑتے ہوئے تمھارا جی نہیں کڑھتا؟

اصغری نے کہا۔ کیوں نہیں کڑھتا۔ کیا میں آدمی نہیں ہوں؟

لیکن یہ تھوڑی دیر کا کڑھنا بہتر یا عمر بھر کا جلاپا؟

تماشا خانم نے کہا۔ تم نے اپنی ساس سے بھی اجازت لی۔

اصغری نے کہا۔ بھلا وہ اجازت دیں گی؟ لیکن ہماری ساس بیچاری سیدھی آدمی ہیں۔ میں سمجھادوں گی تو یقین ہے نہ روکیں۔

غرض یہ کہ اصغری نے اپنا ارادہ اور اس کے وجوہات اپنی ساس سے ایک دن بیان کئے بات معقول تھی اُس میں کون گفتگو کر سکتا تھا۔ اصغری کا جانا ٹھہر گیا۔

ایک روز اصغری جاکر سب کچا حال اپنی ماں سے بھی کہہ آئی اور رخصت ہو آئی۔

مکتب کے واسطے لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ محمودہ تم سب کے پڑھانے کو بہت ہیں میں صرف دو مہینے کے واسطے جاتی ہوں سب لڑکیاں آیا کریں۔

رخصت ہونے کی تقریب سے اپنی آپا کے پاس گئی۔

محمد عاقل نے پوچھا۔ کیوں بھائی تیز دار ہو تم جاتی ہو مکتب کو کیا کر چکیں؟

اصغری نے کہا مکتب اور گھر سب آپ کے حوالے کئے جاتی ہوں۔

محمد عاقل نے کہا۔ واہ کیا خوب، نہ مجھ کو گھر سے تعلق نہ مکتب سے واسطہ۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔

اصغری نے کہا۔ تعلق رکھنا اور نہ رکھنا سب آپکے اختیار میں ہے۔

محمد عاقل نے کہا۔ تمیز دار ہو یہ بات تمہارے منہ سے زیبا نہیں بھلا میرا کیا اختیار ہے۔ گھر تمہاری آپا نے چھڑوایا۔ رہا مکتب سو لڑکیوں کا ہے۔ لڑکوں کا ہوتا تو میں خوشی سے سب کو پڑھا دیا کرتا۔

اصغری نے کہا۔ اب آپا اور آپ دونوں گھر میں چل کر رہیئے۔ اماں جان اکیلی ہیں۔

محمد عاقل نے کہا۔ اپنی بہن کو سمجھاؤ۔

اصغری نے کہا۔ سمجھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپا تو خود جانتی اور سمجھتی ہیں۔ یہاں اکیلے آپ کو تکلیف ہوتی ہے نہ بچوں کا کوئی سنبھالنے والا ہے نہ گھر کا کوئی دیکھنے والا ہے۔ دُکھ سُکھ آدمی کے ساتھ ہیں۔ بے ضرورت جدا رہنا مناسب نہیں اور پچھلی باتیں گئی گزری ہوئیں آپس کی نااتفاقی کیا اور باہم کی رنجش کیسی؟

اکبری جدا گھر کرنے کا مزہ خوب چکھ چکی تھی اور بہانہ ڈھونڈتی تھی کہ پھر ساتھ رہنے کو کوئی کہے۔ فوراً راضی ہو گئی اور اصغری دونوں کو اپنے ساتھ لوا لائی۔

محمد کامل کی ماں کو اصغری کے جانے کا سخت قلق تھا۔ اب اُن کی بھی تسلی ہو گئی کہ خیر ایک ہو گئی دوسری موجود ہے۔

محمودہ کو البتہ بڑی فکر تھی کہ دیکھئے کیا ہو؟ لیکن اصغری نے ادھر تو محمودہ کی تسلی کی اور سمجھا دیا کہ اب وہ باتیں نہیں ہیں۔ اُدھر اپنی آپا

کو سمجھا دیا کہ محمودہ اب بڑی ہو گئی ہے کوئی سخت بات نہ کہئے گا۔ مکتب کے واسطے محمد عاقل سے اتنا کہہ دیا کہ پڑھنا لکھنا وغیرہ سب محمودہ کر لیا کریں گی آپ صرف بالائی انتظام کی خبر لے لیا کیجئے اور مکتب کی رقم کا حساب کتاب محمودہ کو لکھا دیا کیجئے۔

الغرض اصغری رخصت ہوئیں۔ ڈاک پر سوار ہو سیدھی سیالکوٹ پہنچیں۔

یہاں محمد کامل دفعتہً اصغری کے پہنچنے سے سخت متعجب ہوا اور پوچھا کہ خیریت ہے؟ کہیں اماں سے تو نہیں لڑ آئیں؟

اصغری نے کہا توبہ کرو کیا اماں جان میرے برابر کی ہیں کہ میں اُن سے لڑنے جاؤں گی۔ اس چار برس میں کبھی تم نے مجھ کو اُن سے یا کسی سے لڑتے دیکھا؟

یہاں محمد کامل نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے تھے۔ بُری صحبت میں مبتلا تھا۔ خوشامدی لوگ جمع تھے اور وہ اُس کو اُلّو بنائے ہوئے تھے۔ بازار رشوت گرم تھا۔ ناچ رنگ تک سے بھی احتراز باقی نہ رہا تھا۔ امیری ٹھاٹھ تھے۔ تنخواہ سے چار چند کا معمولی خرچ اگر یہی حال چندے اور رہتا تو ضرور حمیس صاحب کو بدگمانی پیدا ہوتی اور آخر کو نوکری جاتی رہتی۔ اچھے وقت اصغری جا پہنچی۔ فوراً اُس نے ہر طرف سے رخنہ بندیاں کیں اور سمجھایا کہ تم کو خدا نے تنّو کا نوکر کر دیا اُس کا یہی شکریہ ہے

کہ تم کو اس پر قناعت نہیں۔

محمد کامل نے کہا کہ جو خوشی سے دے اُس میں کیا قباحت ہے؟

اصغری نے کہا۔ سبحان اللہ روپیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی اُس کو بوجہ خوشی سے دیتا ہے۔ ان دنوں لوگ روپے کے اس قدر حاجتمند ہیں کہ عزت تک کی پروا نہیں کرتے۔ مگر روپیہ نہیں چھوڑتے آدمی اپنے اوپر قیاس کرے کہ ہم کسی کو کیا دیا کرتے ہیں؟ ایک زکوٰۃ کی بھی کچھ اصل ہے سیکڑے پیچھے برسویں دن چالیسواں حصہ (ڈھائی روپیہ) وہی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ لوگوں کے پاس ایسا کہاں کا قارون کا خزانہ بھرا پڑا ہے کہ وہ تم کو بے مطلب دے جاتے ہیں؟ جب دیکھتے ہیں کہ کام بگڑتا ہے نہ دیں گے تو مقدمہ خراب ہوگا عاجز آکر، قرض دام لیکر گھر والیوں کے زیور بیچ کر رشوت دیتے ہیں۔

محمد کامل نے کہا۔ میں خود نہیں لیتا پھر اس میں کیا ڈر ہے؟

اصغری بولی۔ اوّل تو رشوت چھپ نہیں سکتی۔ علاوہ اس کے فرض کیا کہ آدمی پر ظاہر نہ ہوئی۔ خدا جو پردوں میں دیکھتا ہے وہ تو جانتا ہے، بندوں کا گناہ جمع کرنا اور عاقبت کی جواب دہی سمیٹنا بڑی بیباکی کی بات ہے۔

غرض پس و پیش سمجھا کر اصغری نے محمد کامل سے توبہ کرائی۔

چند روز رہ کر اصغری نے پوچھا۔ یہ چار آدمی جن کو باہر کھانا جاتا ہے کون لوگ ہیں؟

محمد کامل نے کہا۔ نوکری کے امیدوار ہیں۔ بیچارے غریب الوطن ہیں، میں نے کہا۔ اچھا جب تک تمھاری نوکری لگے تب تک میرے پاس رہو۔

اصغری نے پوچھا۔ پھر اب تک ان کو نوکری نہیں ملی؟

محمد کامل نے کہا۔ نوکری تو ملتی ہے لیکن ان کی حیثیت سے کم ہے۔

اصغری نے کہا۔ جب ان کی حالت یہاں تک پہنچی ہے کہ دوسرے کے سر پڑے ہوئے روٹیاں کھاتے ہیں تو حیثیت نے کیا بجھ یا قی رہی۔ تھوڑی بہت جو ملے کرلیں۔

محمد کامل نے کہا۔ خدا جانے تم کیا کہتی ہو۔ عزت سے گھٹ کر کیونکر کرلیں؟

اصغری نے کہا۔ کم درجے کی نوکری میں تو بیعزتی ہوتی ہے۔ اور دوسرے کے سر ڈھئی دیئے میں بیعزتی نہیں؟ جب ان لوگوں میں اتنی غیرت نہیں تو اور عادتیں بھی ان میں ضرور بُری ہوں گی؟ ان کا ساتھ اچھا نہیں۔ ضرور تمھارے نام سے کچھ یہ لیتے بھی ہوں گے۔ ان سے کہو کر یا نوکری کریں یا رخصت ہوں۔

محمد کامل نے کہا۔ میری مروّت تو مقتضی نہیں ہوتی کہ میں جواب دوں۔

اصغری نے کہا۔ جب ان میں مروّت نہیں تو تم کو مروّت کا لحاظ کیا ضرور ہے؟ اگر ہم سے بچے تو کنبے میں بہت سے غریب ہیں۔ ان کا حق مقدّم ہے۔ غیروں کو اور غیروں میں سے بھی ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ؟ اور

یہ ضرور نہیں کہ تم سختی سے جواب دو۔ کسی طور پر ان کو سمجھا دو۔

خلاصہ یہ کہ یہی لوگ محمد کامل کے شیطان تھے۔ اصغری نے حکمت عملی سے ان کو نکلوا دیا۔ نوکروں میں جو جو بد وضع تھے چھانٹ چھانٹ کر نکالے گئے اور ڈیڑھ برس اصغری نے رہ کر اندر باہر سب انتظام درست کر دیا۔

اب میاں مسلم کی شادی ہونے والی تھی۔ اصغری کی طلب میں خط گیا اور تماشا خانم نے بہت اصرار کے ساتھ لکھا۔ ازبسکہ بہت دن ہو چکے تھے، اصغری نے دہلی آنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے دل میں سوچی کہ محمد کامل کو اکیلا چھوڑ جانا مصلحت نہیں۔

محمد کامل سے کہا۔ کہ مسافرت میں تنہا رہنا مناسب نہیں کوئی اپنا رشتہ دار ساتھ رہنا ضرور ہے تو میرے نزدیک تم اپنے خالہ زاد بھائی محمد صالح کو بُلا لو وہ یہاں تمھارے پاس کچہری کا کام بھی سیکھے گا اور پڑھے گا بھی اور شاید کہیں اُس کی نوکری بھی لگ جائے۔

امیر بیگم کو خط گیا اور اصغری کے رہتے محمد صالح پہنچ گیا۔

یہ لڑکا نہایت درجے کا نیک بخت تھا اور محمد کامل سے صرف دو برس چھوٹا تھا۔

اب اصغری کو اطمینان ہوا تو سیالکوٹ سے رخصت ہو لاہور پہنچی یہاں مولوی محمد فاضل صاحب کے پاس ایک ہفتہ مقیم رہی۔

مولوی محمد فاضل صاحب کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی، مختاری

کی نوکری میں محنت بہت تھی۔ روز بلا ناغہ سب حاکموں کی کچہری میں جا کر رئیس کے مقدمات کی خبر لینا اور صبح و شام عملوں میں جانا۔ بیچارے مولوی صاحب رات کو آتے تو بہت تھک جاتے تھے۔

اصغری نے کہا۔ ابا جان اب آپ کی عمر اس مشقت کے قابل نہیں، مناسب ہے کہ آپ گھر بیٹھنے کی فکر کیجئے۔ ایک کتاب میں مَیں نے پڑھا ہے کہ انسان عمر کے تین حصّے کرے۔ پہلا حصّہ بچپن کا۔ دوسرا دنیا کے کاموں کے بندوبست کا تیسرا آرام اور یادِ الٰہی کا۔ پس اب آپ گھر چل کر آرام سے بیٹھئے۔

مولوی صاحب نے کہا۔ اوّل تو رئیس نہیں چھوڑتا۔ دوسرے آخر کوئی میری جگہ کام کرنے والا بھی تو چاہئے۔

اصغری نے کہا۔ رئیس سے جب آپ اپنی ضعیفی کا عذر کیجئے گا تو غالب ہے کہ مان جائے اور کام کرنے کو تو بھائی جان کیا کم ہیں؟

مولوی صاحب نے کہا۔ وہ کچہری دربار کا دستور قاعدہ کیا جانے؟

اصغری نے کہا۔ چند روز اُن کو بُلا کر ساتھ رکھئے۔ دیکھنے بھالنے سے سب معلوم ہو جائے گا۔ وہ تو مولوی آدمی ہیں۔ ہندو لوگ تو دو چار فارسی کی کتابیں پڑھ کر کچہری کی نوکری کرنے لگتے ہیں۔

مولوی صاحب کو اصغری کی بات پسند آئی۔

اصغری تو دہلی پہنچی اور مولوی صاحب نے محمد عاقل کو بلا بھیجا

چند روز میں محمدؐ عاقل نے باپ کا سب کام اُٹھا لیا اور رئیس کو اپنی خدمت سے بہت خوش کیا تب مولوی صاحب نے رئیس سے کہا۔ کہ یہ لڑکا اب حضور کی خدمت میں حاضر ہے مجھ کو آزاد فرمائیے ؎

رسمست کہ مالکانِ تحریر
آزاد کنند بندۂ پیر

رئیس کا دل بڑا سخی تھا۔ بیسؔ روپیہ تا حیات مولوی صاحب کی پنشن کر دی اور مولوی صاحب کی جگہ محمدؐ عاقل کو پوری تنخواہ پر رکھ لیا۔

CH. 26

اصغری دہلی میں آئی تو اُس نے محمودہ کی فکر کی۔ حُسن آرا تجھ سے اپنے گھر آئی ہوئی تھی۔ اور اُنھیں دنوں جمال آرا بھی سُسرال سے چھوٹی بہن سے ملنے آئی تھی۔ حکیم جی کا تمام گھر تو اصغری کا مُرید تھا۔ دونوں بہنیں اصغری کے آنے کی خبر سُن کر دوڑی آئیں۔ ہر طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔

جمال آرا نے کہا۔ اُستانی جی کیسا جی تم میں پڑا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا بھلا حُسن آرا تو تمھاری شاگرد ہیں لیکن میں شاگردوں سے بھی زیادہ ہوں۔ میرا اجڑا ہوا گھر تمھیں نے بسوایا۔

اصغری نے کہا۔ میں کس لائق ہوں۔

جمال آرا نے کہا۔ واہ اُستانی جی میں تو جیتے جی تمھارا سلوک نہیں بھولوں گی اور کیا کروں تم ہم لوگوں کی خدمت کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ نہیں تو اپنی کھال کی جوتیاں تم کو بنوا دیتی۔ تب بھی شاید تمھارا

حق ادا نہ ہوتا۔

اصغری نے کہا۔ اوّل تو کچھ خدمت مجھ سے نہ بن پڑی اور باقتضائے سرداری کوئی کام آپ کو پسند ہوا تو بیگم صاحب آپ کو خدا نے سب قابل بنایا ہے ہم غریبوں کا خوش کر دینا کون بڑی بات ہے؟

حُسن آرا بولی۔ اے ہے، اُستانی جی تم اپنے منھ سے کیسی بات کہتی ہو!

اصغری نے کہا۔ سنو، بوا، حُسن آرا! اُستانی گری اور شاگردی تو اب باقی نہیں۔ وہ مکتب تک تھی۔ اب اللہ رکھے تم بیاہی گئیں۔ ادھر تم پوتڑوں کی امیر اور امیروں کی سرتاج، اُدھر یہ سردار اور سرداروں کی بیٹی بہو۔ اب اس شہر میں تم سے بڑھ کر تو دوسرا امیر نہیں۔ تم تک پہنچکر جو آدمی محروم رہے تو اُس کی قسمت کا قصور ہے۔

حُسن آرا نے کہا۔ اچھی اُستانی جی! کیا بات ہے؟

اصغری نے کہا، بوا! بڑا مشکل کام ہے تم وعدہ کرو کہ مجھ کو نا اُمیّد نہ کرو گی تو میں کہوں۔

حُسن آرا، اور جمال آرا نے جانا کسی کی نوکری چاکری کے واسطے کہینگی دونوں نے کہا۔ استانی جی خدا کی قسم تمھارے واسطے ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ لو ہم کو بڑی تمنا ہے کہ تم ہم سے کچھ فرمائش کرو۔

اصغری نے کہا۔ وہ کام میرے نزدیک تو بڑا ہے لیکن اگر آپ دونوں صاحب دل سے آمادہ ہوں تو کچھ بڑا نہیں۔